باب 3

شمالی ہند میں اُردو شاعری کا ابتدائی دور

اردو کا آغاز وارتقا مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے ہوا۔ دہلی، پنجاب، سندھ اور دکن ہر جگہ کی اپنی تاریخی روایات ہیں۔ مختلف ادوار میں یہ زبان 'ہندوی'، 'ہندی'، 'دکنی'، 'ریختہ'، 'اردوے معلّٰی'، وغیرہ ناموں سے موسوم ہوئی۔ ہماری زبان کی تاریخ کا اہم واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہند ہی اس کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور نقطۂ عروج بھی۔ مسعود سعد سلمان سے امیر خسؔرو تک، وؔلی سے آرزؔو تک، مرزا مظہر جان جاناںؔ اور شاہ حاتمؔ سے میؔر و سوؔدا تک، پھر عہدِ غالبؔ اور داؔغ دہلوی تک اردو میں ادب کی تخلیق کا سفر بہت دل چسپ بھی ہے اور اہم بھی۔ اِس ذیل میں شمالی ہند بالخصوص دہلی میں اردو ادب کے آغاز سے عہدِ میؔر تک مختلف اسالیب و اصناف کے بتدریج ارتقا کی خاص اہمیت ہے۔

جب مغلیہ سلطنت عروج پر تھی اور فارسی کا بول بالا تھا، فارسی کے بڑے بڑے شاعر دہلی کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔ پھر وہ دور بھی آیا جب فارسی میں شعر کہنے والوں نے منہ کا مزہ بدلنے کے لیے اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ خان آرزؔو اور ان کے معاصرین ایسے ہی لوگ تھے۔ پھر وقت بدلا۔ رفتہ رفتہ اردو میں شعر گوئی کا رواج عام ہوا۔

دہلی میں وؔلی دکنی کی آمد سے قبل جعفر زٹلّی، عبدالجلیل اٹلؔ اور محمد عطاء اللہ عطاؔ وغیرہ کا شمار دہلی کے ان شعرا میں ہوتا ہے جو اردو میں شعر کہتے تھے۔ ان میں جعفر زٹلّی کا نام نمایاں ہے۔

وؔلی دکنی 1700 میں دہلی آئے۔ دکن میں اردو ترقی کی کئی منزلیں طے کر چکی تھی۔ وہاں اردو میں شعر کہنا فخر کی بات تھی۔ اسی فخر کے ساتھ وؔلی نے دہلی میں شعر سنائے اور داد وصول کی۔ اُن کی آمد اور ان کے اشعار نے دہلی والوں کو احساس دلایا کہ اس عوامی زبان میں بھی اچھے شعر کہے جا سکتے ہیں۔

امیر خسرو (1325 - 1208/09): ان کا نام ابوالحسن تھا۔ ان کی پیدائش ایٹہ (کاشی نگر) ضلع کے قصبے پٹیالی میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام امیر سیف الدین تھا۔ خسرو کی کم سنی ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کے بعد خسرو کی پرورش ان کے نانا عماد الملک نے کی جو بادشاہ بلبن کے عہدِ حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ اس طرح ابتداے عمر ہی سے خسرو کا تعلق شاہی دربار سے ہوگیا۔ وہ دہلی کے چھے بادشاہوں سے وابستہ رہے۔ جلال الدین خلجی نے انھیں امیر کا خطاب دیا تھا۔

© NCERT not to be republished

خسرو نے کئی جنگی مہمات میں بھی حصہ لیا۔ غیاث الدین تغلق کے ساتھ وہ بنگال کی مہم میں تھے کہ اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیاؒ کی وفات کی خبر سنی۔ اس خبر سے وہ بہت غم زدہ ہوئے اور کچھ عرصے بعد ہی ان کی وفات ہوگئی۔

خسرو فارسی کے اعلیٰ پایے کے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فن موسیقی میں بھی ماہر تھے۔ ان سے متعدّد تصانیف یادگار ہیں۔ خسرو نے اپنے دیوان 'غُرّۃ الکمال' کے دیباچے میں اطلاع دی ہے کہ عربی اور فارسی کے علاوہ ان کا ایک دیوان ہندوی یعنی قدیم اردو میں بھی تھا۔ یہ دیوان اب ناپید ہے۔ ہندوی کلام کے نام پر خسرو سے بہت سی پہیلیاں، انمل فقرے، دوسخنے اور ڈھکوسلے وغیرہ بھی منسوب کیے جاتے ہیں۔ وہ قوالی کے موجد تھے۔

افضل نارنولوی (و۔ 1625/26) : عام طور پر ان کا نام افضل، تخلص افضلؔ اور وطن پانی پت بتایا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر عبدالغفّار شکیل کی تحقیق سے اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کا اصل نام گوپال، تخلص افضل اور وطن نارنول، ضلع مہندر گڑھ (ہریانہ) تھا۔ ان کی ولادت کا زمانہ متعین نہیں۔ سالِ وفات شعرائے فارسی کے ایک تذکرے میں 1035 ہجری (1625/26 عیسوی) بتایا گیا ہے۔ اردو اور فارسی کے خوش گو شاعر تھے۔ ان کا پیشہ معلّمی تھا اور شاگردوں کی تعداد کافی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ افضل نے ایک مندر میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہیں ہندوستانی علوم پر بھی عبور حاصل کیا۔

بارہ ماسا شاعری کی ایک قدیم صنف ہے جس میں معشوقہ اپنے عاشق سے جدائی کا حال، مہینوں اور موسموں کی مناسبت سے بیان کرتی ہے۔ افضل نے ابتدائی اردو میں ایک بارہ ماسا 'بکٹ کہانی' کے نام سے لکھا جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ 'بکٹ' کے معنی کٹھن ہوتے ہیں جس کی مناسبت سے عشق میں جدائی کے کٹھن حالات کا ذکر بارہ ماسے میں کیا جاتا ہے۔ 'بکٹ کہانی' کھڑی بولی اور برج بھاشا سے متاثر ہے۔

زٹلی (1659-1713) : ان کا نام مرزا محمد جعفر تھا۔ ہجوگوئی کی وجہ سے جعفر زٹلی کہلاتے تھے۔ وطن نارنول تھا۔ اپنے زمانے کے مروجہ علوم وفنون سے خوب واقف تھے۔ شاعری میں اٹل نارنولی کے شاگرد تھے۔ وہ دکن میں اورنگ زیب کے بیٹے شہزادہ کام بخش کے سواروں میں شامل تھے۔ بعد میں انھوں نے یہ ملازمت چھوڑ دی تھی۔ فرخ سیر جب تختِ سلطنت پر بیٹھا تو انھوں نے اس کے سکّے کے لیے ایک ہجویہ شعر کہا۔ اس جرم پر فرخ سیر نے انھیں قتل کرادیا۔

جعفر زٹلی بڑے تیز مزاج اور حاضر جواب تھے اور انھوں نے احتجاجی شاعری بھی کی ہے اسی لیے اپنی ہجویات میں وہ پھکّڑ پن اور گالیوں پر اتر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں عام طور پر اخلاقی اقدار اور ان کے زوال کو موضوع بنایا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بے شمار نئے الفاظ اور ترکیبیں وضع کی ہیں۔ چند اشعار دیکھیے :

© NCERT not to be republished

محمّد پار اُتارن ہار سب کا محمّد سرور و سالار سب کا
بیا جعفرؔ! توکّل پر قدم رکھ خدا کی یاد دل میں دم بہ دم رکھ
سکّہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر بادشاہِ تسمہ کش فرّخ سیر

ایہام گوئی کا دور:

شمالی ہند میں اردو شاعری کا پہلا دور محمد شاہی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس دور کی تہذیبی زندگی پر تکلف اور تصنّع کا رجحان غالب تھا۔ مجلس آرائی اور خارجی شان و شوکت اس عہد کی پہچان بن گئی۔ ظاہری چمک دمک نے حقائق کو دھندلا دیا تھا۔ شاعری میں سادگی اور بے تکلفی کی جگہ لفظی صنّاعی نے لے لی تھی۔ ذومعنی الفاظ کے استعمال نے حقیقی جذبوں کو پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ نتیجے کے طور پر اس دور میں ایہام گوئی کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ایہام شاعری میں ایسے ذومعنی الفاظ کے استعمال سے عبارت ہے جن کے ایک معنی قریب کے ہوں اور دوسرے بعید کے۔ اس طرح معنوی فریب دے کر شعر کو دل کش بنانے کا یہ ایک انداز تھا۔ صنعتِ ایہام کے اس چلن نے شاعری میں فن کی صورت اختیار کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی ہند کے اس دور کے ایہام گو شعرا نے یہ اثر ولیؔ سے اخذ کیا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف ولیؔ ہی کے کلام میں صنعتِ ایہام کی مثالیں نہیں ملتیں، ان کے پیش رو صائبؔ اور بیدلؔ جیسے فارسی شعرا نے بھی ایہام سے مضمون آفرینی کا کام لیا تھا۔ سنسکرت شاعری اور برج بھاشا کے دوہوں میں صنعتِ ایہام کا استعمال خاص التزام کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے جس کے اثرات دکنی شعرا کے یہاں بھی ملتے ہیں۔ یہ وہ پس منظر ہے جس نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس دور کے شعرا کو متاثر کیا جس کے نتیجے میں ایہام گوئی کو فروغ حاصل ہوا۔

آبروؔ (1683/85-1733) : ان کا نام نجم الدین اور عرف شاہ مبارک تھا۔ گوالیار کے مشہور صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مزاجاً وہ ایک صوفی منش انسان تھے۔ گوالیار سے ہجرت کر کے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ شمالی ہند کے دورِ اوّل کے شعرا میں ان کا ایک ممتاز مقام ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ اپنے دور کے عام رجحان کے مطابق آبرو کے کلام میں جا بہ جا ایہام کے اشعار ملتے ہیں مگر اس کے علاوہ دوسری خوبیاں بھی موجود ہیں۔ دہلوی زبان کی سادگی اور ہندی آمیز لب و لہجے کے فطری اظہار نے ان کے اشعار کو پُر اثر بنا دیا ہے۔

آبرو نے 'آرائشِ معشوق' کے نام سے ایک مختصر مثنوی بھی لکھی ہے۔ اس کے علاوہ سلام، مرثیے اور کئی نظمیں بھی ان سے یادگار ہیں۔ ان کے چند اشعار دیکھیے :

© NCERT not to be republished

چلتا ہے اب تلک ترے مکھڑے پہ رشک سے — ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل

پھرتے تھے دشت دشت دِوانے کدھر گئے — وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

ملنے کے شوق میں ہم گھر بار سب گنوایا — مدّت میں گھر ہمارے آیا تو گھر نہ پایا

آرزوؔ (1687/88-1756): ان کا نام سراج الدین علی خاں تھا۔ آرزوؔ کا شمار اپنے عہد کے فارسی کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ وؔلی کے اثر سے انھوں نے بھی ریختہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ آرزو دہلی میں اردو کی ادبی روایت کے پہلے دور کے سب سے اہم اور ممتاز شاعر ہیں۔ انھوں نے شمالی ہند کے شعرا کی پہلی نسل کے بہت سے ایسے شاعروں کی تربیت کی جو ریختہ میں شعر کہنے کی طرف مائل ہوئے۔

خان آرزوؔ کے علم وفن، ذہانت، شیریں کلامی، حاضر جوابی و حاضر دماغی کا ذکر بہت جگہ ملتا ہے۔ وہ شاعر، عالم، اور لغت نویس بھی تھے۔ فارسی زبان میں 'سراج اللغہ'، اور 'نوادر الالفاظ' ان کی مشہور لغات ہیں۔

ہر صبح آوتا ہے تیری برابری کو — کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشیدِ خاوری کو

داغ چھوٹا نہیں یہ کس کا لہو ہے قاتل — ہاتھ بھی دکھ گئے دامن ترا دھوتے دھوتے

اس زلفِ سیہ فام کی کیا دھوم پڑی ہے — آئینے کے گلشن میں گھٹا جھوم پڑی ہے

مضموںؔ (1689-1734/35) : ان کا نام شرف الدین تھا۔ ان کا تعلق بابا فرید گنج شکر کے خاندان سے تھا۔ آگرے میں پیدا ہوئے۔ نوعمری ہی میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ مضموںؔ، خان آرزو کے شاگرد تھے۔ ان کے دانت وقت سے پہلے گر گئے تھے۔ اسی بنا پر ان کا منھ پوپلا ہو گیا تھا۔ اس لیے خاں آرزوؔ انھیں شاعرِ بے دانہ کہا کرتے تھے۔ وہ کم گو شاعر تھے۔ ان کے کلام میں ایہام کے باوجود شگفتگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج — ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

دردِ دل سے جس طرح بیمار اٹھتا ہے کراہ — اس طرح اک شعر مضموں بھی کہے ہے گاہ گاہ

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے — کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

شاکر ناجی (1690-1747) : ان کا نام محمد شاکر ناجی تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ پیشہ سپہ گری تھا۔ کلام میں صنائع بدائع کی کثرت ہے۔ اس دور کے دیگر شعرا کی طرح ایہام گوئی شاکر ناجیؔ کے کلام کی بھی نمایاں ترین خصوصیت ہے۔ غزل کے علاوہ رباعی، قصیدہ، مرثیہ، قطعات وغیرہ میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ غزل کی ہیئت کے علاوہ مربع کی ہیئت میں بھی مرثیے لکھے ہیں۔

ریختہ ناجیؔ کا ہے محکم اساس — بات میری بانیِ ایہام ہے

تجھ کو کیوں کر جدا کروں اے جاں　　زندگانی بہت ہی پیاری ہے
خیال چھوڑ کہ دنیا ہے خواب کی مانند　　تمام خوبی ہے اس کی سراب کی مانند

فائزؔ دہلوی (1690/91-1738): ان کا نام نواب صدرالدّین محمد خاں تھا۔ وہ صاحب علم اور صاحبِ ثروت تھے۔ ولؔی سے بہت متاثر تھے اور اکثر ان ہی کی زمین میں شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں حسن وعشق کی واردات کا ذکر ہوا ہے۔ ان کے مطبوعہ دیوان میں صرف بتیس غزلیں ہیں، باقی منظومات ہیں۔ ان میں ہندوستانی عناصر پائے جاتے ہیں۔ سیدھی سادی زبان میں وہ جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام میں دہلی کا بار بار ذکر کیا ہے اور خود کو دہلوی کہا ہے۔ ایہام ان کے یہاں بہت کم ہے لیکن صنعتوں کا استعمال فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔ فارسی نثر میں بھی ان کی کتابیں ملتی ہیں۔

دیکھ کر تجھ نین کی شوخی کوں　　تھک کے صحرا نشیں غزال ہوا
پل پل مٹک کے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کے　　وہ شوخ چھل چھبیلا طنّاز ہے سراپا
غمزہ نگہ، تغافل انکھیاں سیاہ و چنچل　　یارب نظر نہ لاگے انداز ہے سراپا

انجاؔم (و۔ 1746): ان کا نام امیر خاں اور لقب عمدۃ الملک تھا۔ انجاؔم، محمد شاہ کے عہد (1719-1748) میں صوبے دار تھے۔ وہ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے لیکن انھیں اردو زبان پر بھی قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے ریختی، پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں بھی لکھی ہیں۔ روانی اور بے ساختگی ان کے کلام کا خاص وصف ہے۔

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے　　کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی
دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم　　پر ترستے ہی رہے بس ایک پیمانے کو ہم
قفس کے بیچ بلبل نے تڑپھ کر جی دیا اپنا　　کسو بے درد نے شاید کہا ہوگا بہار آئی

یکرنگؔ (و۔ 1737/49): ان کا نام غلام مصطفیٰ خاں تھا۔ یکرنگ محمد شاہ کے منصب دار اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کے کلام میں بھی ایہام تو ہے مگر وہ شدّت نہیں جو اس زمانے کے دوسرے شعرا کے یہاں ہے۔ یکرنگ کے یہاں زبان کی فصاحت اور مضامین کی تازگی پائی جاتی ہے۔

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے　　دل سے صبر و قرار جاتا ہے
کیا جانیے وصال ترا ہو کسے نصیب　　ہم تو ترے فراق میں اے یار مرگئے

© NCERT not to be republished

ردِّعمل اور اصلاحِ زبان :

ایہام گوئی مخصوص تہذیبی عوامل کا نتیجہ تھی۔ اب حالات نے نئی کروٹ لی۔ محمد شاہ کے دورِ حکومت میں نادر شاہ نے 1739 میں دہلی میں قتلِ عام کا بازار گرم کیا۔ الم ناکی کا یہ وہ دور تھا جس سے ہر کوئی دوچار تھا۔ ان حالات کا اثر فکر و ذہن اور ذوق و شوق پر پڑنا ناگزیر تھا۔ چنانچہ ایہام کا اثر زائل ہونے لگا اور اس کے خلاف ردِّعمل شروع ہوا۔ لسانی شعور میں ایک نئی تبدیلی واقع ہوئی۔ ادبی روایت میں اس تبدیلی کو 'اصلاحِ زبان' کی تحریک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسے 'سادہ گوئی' یا 'تازہ گوئی' کی تحریک بھی کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کے اثر سے اردو شاعری میں فارسی شاعری کے اسالیب اور تراکیب کا چلن بڑھنے لگا۔

مرزا مظہرؔ جانِ جاناں (1699/1700-1781) : ان کا نام مرزا مظہرؔ تھا۔ ان کا شمار اپنے دور کے بلند پایہ صوفی بزرگوں میں ہوتا ہے۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ مزاج میں بلا کی شائستگی تھی۔

مرزا جانِ جاناں شعر میں صنعت گری کے قائل نہ تھے۔ انھوں نے ایہام گوئی سے نہ صرف پرہیز کیا بلکہ اس کے خلاف فضا بھی ہموار کی۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کی کوششوں سے اردو شاعری میں سادگی کا رجحان بڑھا اور اصلاحِ زبان کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس لیے ان کے ذریعے شروع کی گئی اس تحریک کو 'سادہ گوئی' یا 'تازہ گوئی' کی تحریک بھی کہا جاتا ہے۔

اپنے دور کے دیگر شعرا کی طرح مرزا مظہر جانِ جاناں بھی بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے مگر انھوں نے اردو میں بھی شعر کہے۔ ان کا کوئی دیوان تو نہیں ملتا البتہ مختلف تذکروں میں ان کا اردو کلام بکھرا ہوا ہے۔ اردو کی ادبی تاریخ میں ان کا نام اردو شاعر سے زیادہ اس دور کی اردو شاعری پر ان کے گہرے اثرات کی وجہ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

چلی اب گُل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا — نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا
کون کہتا ہے مر گیا مظہر — فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

حاتمؔ (1699-1783) : ان کا نام ظہورالدین اور حاتمؔ تخلص تھا۔ نواب امیر خاں انجامؔ کی سرکار میں ملازم تھے۔ ان کا شمار اپنے عہد کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں وہ ایہام گوئی کی طرف مائل تھے لیکن جب مرزا مظہر جانِ جاناں نے اصلاحِ زبان کی تحریک شروع کی تو انھوں نے براہِ راست اس تحریک کا اثر قبول کیا اور بہت جلد ایہام گوئی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ انھوں نے از سرِ نو اپنے کلام کا انتخاب 'دیوان زادہ' (56-1755) کے نام سے کیا اور اپنے پرانے ضخیم دیوان

کومسترد کردیا۔غزل کے علاوہ حاتم نے شہرِ آشوب بھی لکھے ہیں جس میں ان کے عہد کے سیاسی، معاشرتی و تہذیبی حالات کی مرقع کشی کی گئی ہے۔انھوں نے 'واسوخت' بھی لکھے اور دیگر مروجہ اصناف میں بھی شعر کہے۔ ؎

ہجر کی زندگی سے موت بھلی — کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا

خواب میں تھے جب تلک تھا دل میں دنیا کا خیال — کھل گئی جب آنکھ تو دیکھا کہ سب افسانہ تھا

مدّت سے خواب میں بھی نہیں نیند کا خیال — حیرت میں ہوں کہ کس کا مجھے انتظار ہے

فغاںؔ (1725/26-1772/73) : ان کا نام اشرف علی خاں تھا۔فغاںؔ نوجوانی کے زمانے ہی سے شعرگوئی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔اس فن میں اتنا کمال پیدا کرلیا تھا کہ اپنے عہد کے ممتاز شاعروں میں ان کا شمار ہونے لگا تھا۔وہ پھبتیاں کہنے کے لیے بھی مشہور تھے۔اپنی ظرافت اور خوش مزاجی کے سبب اکثر نوابین و امرا کے درباروں میں مقبول رہے۔

فغاںؔ کے دیوان میں غزلوں کے علاوہ قطعات، رباعیاں، مخمس وغیرہ بھی موجود ہیں۔انھوں نے قصیدے، مثنویاں اور ہجویات بھی کہی ہیں۔اپنے معاصر شعرا کے برخلاف ان کی شاعری فارسی سے زیادہ متاثر ہے۔زبان و بیان کا حسن اور لب و لہجے کی ہمواری فغاں کے کلام کی خاص خوبی ہے۔ ؎

کباب ہوگیا آخر کو کچھ بُرا نہ ہوا — عجب یہ دل ہے جلا بھی تو بے مزا نہ ہوا

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی — دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا مرا چمن میں کبھی آشیاں نہ تھا